© rasailojaraid.com

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

ہمارے دینی مدارس کی اصلاحی تجاویز

شوال میں دینی مدارس کے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو چکا ہے۔ اسی مناسبت سے ہم یہاں حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کا ایک مضمون شائع کر رہے ہیں، جو مدیر البلاغ کراچی کے ایک سوالنامہ کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ اور البلاغ میں شائع ہوا تھا۔ "ادارہ"

★

موجودہ دینی مدارس کی زبوں حالی اور کماحقہٗ موثر و مفید نہ ہونے کے بارے میں آپ کے تاثرات صحیح ہیں۔ اور یہ معاملہ پورے طبقۂ علمی کے لئے غور و فکر کا مستحق ہے، میں بوجہ ضعف و علالت و کثرت مشاغل کے اس مسئلہ پر پوری روشنی نہیں ڈال سکتا۔ ماہنامہ الحق نے اسی ماہ (نومبر) کے پرچہ میں آپ کے خیالات کی تائید میں اداریہ لکھا ہے۔ اور اس سلسلہ میں الحق آئندہ بھی باہمی تعاضد و تعاون سے دریغ نہ کرے گا۔ جواب میں مختصراً گذارش یہ ہے کہ :

مدارس کے اصلاح اور مردم خیز ہونے کے لئے اوّلین شرط تصحیح نیت ہے کہ ارباب مدارس، مدارس قائم کرنے، اس کو چلانے اور اساتذہ و طلبہ اپنے تمام تر تعلیم و تعلم کی غرض اور مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا اور آخرت کی فلاح و سعادت سمجھیں اور ارشادِ ربّانی ؛ فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم۔ کو ہمہ وقت منظور نظر رکھیں۔ دینِ محمدی پر خود عمل مقصود ہو دنیا کی ظلمتوں میں نورِ اسلام پھیلانا مطمح نظر ہو۔ اگر طلبہ و اساتذہ، کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر۔ کا مصداق ہوں۔ تفقہ فی الدین اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا مظہر ہوں۔ اتامرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب۔ کا مصداق نہ ہو تو پوری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امت پر اس کے نہایت بہتر اثرات مرتب ہوں گے۔ اس سلسلہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: العلماء ورثۃ الانبیاء۔ منجملہ جوامع الکلم ہے کہ مقام و مرتبت کی بلندی اور ذمہ داریوں کی نزاکت کا سارا نقشہ اس میں آجاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ ارباب مدارس کو تعلیمی معیار کا انتہائی اہتمام کرنا چاہیئے اور ہمہ وقت اس کی درستگی کی فکر لازمی ہے۔ جن مدرسین کو تدریس کے لیئے رکھا جائے، فی الواقع وہ متعلقہ علوم کے پورے اہل ہوں متعلقہ کتابوں کے پورے ماہر ہوں، درسیات میں رسوخ اور عبور ہو۔ محقق اور فرض شناس ہوں اور یہ جذبہ ہو کہ طلبہ کتاب دانی اور فن میں واقفیت بلکہ مہارت حاصل کریں، وہ محض ملازمت کی خاطر ڈیوٹی پوری نہ کریں بلکہ سلف کا ذوق وشوق محنت اور شغف ان کی نگاہ میں رہے۔

تعلیمی معیار کے لیئے یہ بھی ضروری ہے کہ طلبہ کا امتحان داخلہ لیا جائے اور استعداد کے موافق کتابیں دی جائیں۔ شرح جامی کا مقتضی اگر نحو میر کے لائق ہے تو اسے قطعاً ترقی نہ دی جائے۔ اس سلسلہ میں کسی سفارش منت سماجت اور لجاجت کا لحاظ نہ ہو۔ اور یہ چیز تب ممکن ہے کہ تمام اہل مدارس اس چیز پہ اتفاق کر لیں مگر افسوس کہ مدارس تکثیر سواد کی کوشش کرتے ہیں۔ تمام مدارس کے اصلاحی اور انتظامی قواعد و قوانین کے مؤثر ہونے کے لیئے صرف اس معاملہ میں باہمی تعاون اور قوانین کی رعایت ضروری نہیں بلکہ ہر معاملہ اور اصلاحی قدم میں اگر دیگر مدارس اتفاق نہ کریں تو بہتر ثمرہ اور نتیجہ ظاہر نہیں ہو سکے گا۔ طلبہ جب ایک دروازہ بند دیکھتے ہیں تو سو دروازے کھلے پاتے ہیں۔ تعلیمی اور تربیتی پابندیوں اور بندھنوں میں جکڑنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں مدارس کو اجتماعی فوائد اور باہمی معاہدوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ تعلیمی سال کے دوران سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحان بے حد ضروری ہیں۔ ان امتحانات کے لیئے طلبہ کی تیاری اور پھر امتحانات کے سارے سلسلہ کو محض رسماً نہیں بلکہ پورے احتساب اور مسئولیت کے ساتھ انجام دینا چاہیئے۔ منتظمین مدرسہ تعلیمی سال کے دوران کتاب کے مقروءۃ اور مقررہ نصاب پر بھی نگاہ رکھیں تاکہ سال کے مختلف حصوں میں تدریسی مقدار کا توازن قائم رہے۔ نیز اساتذہ دوران درس میں بھی طلبہ سے تقریراً امتحان لیتے رہیں۔ تاکہ مختلف الاستعداد طلبہ کا اندازہ لگا کر ان کی طرف حسب ضرورت توجہ دے سکیں۔

فنی رسوخ اور پختگی کے لیئے جیساکہ پہلے بھی رواج رہا ہے، مناسب ہے کہ طلبہ کو ہر فن کی بنیادی کتابوں کے متون حفظ کرا دیئے جائیں، کافیہ، شافیہ، سلم، حسامی وغیرہ متون پچھلے دور میں طلبہ کو یاد کرائے جاتے تھے۔ جس سے ذہن کو جلا اور علمی صلاحیت اور نشو و نما بہتر طریقہ پر ہو جاتی تھی۔ مگر توجہ صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حفظ پر نہ ہو بلکہ فہم و استنباط بھی بیدار کرایا جائے۔ فراغت کے بعد آجکل اکثر طلبہ گھروں کو جاکر دوسرے مشاغل میں لگ جاتے ہیں۔ اہل مدارس ذہین طلبہ کو مطالعہ و تحقیق، تصنیف و افتاء اور معین مدرسین کی حیثیت سے کام میں لگا دیں یا درجات تخصص قائم کر کے انہیں مزید علمی ترقی کا موقع دیں اور طبعی رجحان و مناسبت کو دیکھ کر اسی کے مطابق تخصص میں مہارت حاصل کرنے کی ترغیب دیں۔

امام مالکؒ نے امام شافعیؒ کو فراغت کے بعد نصیحت فرمائی کہ علم کو ضائع نہ کریں بلکہ علم کی اشاعت اور درس و تدریس میں لگے رہیں۔ امام شافعیؒ مکہ معظمہ کے باشندے تھے۔ مگر طلبہ کا رجوع کم تھا۔ اس لئے پہلے بغداد تشریف لے گئے۔ جہاں علماء و طلباء کی کثرت تھی۔ بعد کو اشاعت علوم کے لئے مصر کا سفر اختیار کیا مگر آجکل ذہین طلبہ فراغت کے بعد ایسی جگہوں پر قیام کر لیتے ہیں۔ جہاں علم کے طلبگار نہیں ہوتے، علم کی اشاعت کا میدان نہیں ہوتا۔ تو حاصل کیا ہوا؟ استعداد بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ بعض ذہین طلبہ حصول علم میں زندگی خرچ کر دیتے ہیں۔ اور ترقی معاش ہی ان کا مقصد زندگی بن جاتا ہے۔ اور اس طرح اس مقصد کو پس پشت ڈال دیتے ہیں جس کے لئے عمر کا بہترین حصہ کھو چکا ہوتا ہے۔ بعض مدارس عربیہ نے تو فاضل اور مولوی فاضل ہی کو اپنا مقصد تعلیم بنا لیا ہے۔ یہ رجحان بہرحال افسوسناک ہے۔ اچھے ذہین اور صلاحیتوں والے طلبہ کو ترغیب دینی چاہیئے کہ وہ عالم باعمل بن کر قوم کی دینی خدمت کریں۔ اس راہ میں ابتداً جتنی معاشی تکالیف بھی آئیں گی، ان سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ صبر و استقامت اور عزم و توکل کے بعد معاشی آسودگی کے اسباب بھی اللہ تعالیٰ پردۂ غیب سے فراہم کر دیتا ہے۔ منصب وراثت نبوت کو نگاہوں میں رکھ کر عزم و حوصلہ سے حالات کا مقابلہ کرتے رہیں۔ اور ایثار و قربانی سے کام لے کر علمی، تبلیغی اور دعوتی راستہ پر گامزن رہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ موجودہ دور کے تقاضوں سے انہیں آگاہ کیا جاتا رہے، اور دینی و علمی فتنوں کے مقابلہ کے لئے طلبہ کو اچھی طرح تیار کیا جائے۔ جس طرح ہمارے اسلاف نے طلبہ کو اپنے زمانے کے علمی و فکری فتنوں کا انسداد کرنے کے لئے پوری طرح آگاہ کیا۔ اور پھر تصنیف و تعلیم کے ذریعہ ان فتنوں کا مقابلہ کیا۔

مدارس کو ہئیت اجتماعی سے ایسے محقق جید اور ماہر علماء کا بورڈ بھی بنانا چاہیئے، جو موجودہ فتنوں کا الاہم فالاہم متخص کر کے ان فتنوں کے اصول اور بنیادی مباحث کو جمع کریں۔ اور پھر اس کا رد لکھوائیں۔ نیز طلبہ کو موجودہ زمانہ کے مسائل خواہ ان کا تعلق معاشیات و اقتصادیات سے ہو یا اعتقادیات یا معاشرتی و سماجی امور سے ہوں۔ پوری طرح آگاہ کرایا جائے، اور موجودہ غلط نظریات و تحریکات سے اسلام کا تقابلی مطالعہ و موازنہ بھی کرایا جاتا رہے، فلسفۂ قدیم کے ساتھ فلسفۂ جدید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سائنس و طبیعیات اور علم الکلام سے بھی طلبہ کو واقف کرانا ضروری ہے۔ ان مسائل میں قدیم نظریات سے واقف طلباء جب نئے مسائل اور نظریات کا سامنا کرتے ہیں، تو تغیر پذیر اور ترقی پذیر طبیعاتی اور معاشی مسائل اور نظریات کی نزاکتوں اور پیچیدگیوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت سے عاری رہتے ہیں۔ نتیجۃً وہ خود بھی احساسِ کہتری میں مبتلا ہوکر دوسرے راستے اختیار کر لیتے ہیں اور معاشرہ پر بھی جدید نظریات سے آگاہ نہ ہونے کی وجہ سے مؤثر تبلیغ کی شکل میں اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

اکثر مدارسِ دینیہ کے طلبا کی عمریں غیر ضروری یا غیر لازمی علوم میں خرچ ہو جاتی ہیں۔ قرآن و حدیث اور دورۂ تفسیر میں ایک سال بھی پورا نہیں گزارتے حالانکہ اصل مقصد قرآن و حدیث ہے۔ اس پر سطحی عبور کافی نہیں۔ ایک ماہ میں قرآن مجید اور ۸ ماہ میں احادیث پر مُرور فنی مناسبت پیدا کرنے کے لئے ناکافی ہے علومِ آلہیہ و عقلیہ ضروری ہیں۔ مگر علوم مقصودہ اور علومِ عقلیہ کی میعاد و مقدار میں توازن قائم کرنا بہرحال ضروری ہے۔

اب رہا طلبہ کے اخلاقی و عملی تربیت کا مسئلہ تو اس کی اہمیت بھی تعلیمی معیار قائم رکھنے سے کسی طرح کم نہیں۔ طلباء و اساتذہ کی اخلاقی اصلاح اور کردار کی تربیت کیطرف توجّہ نہایت ضروری ہے۔ اس چیز کی کمی کی وجہ سے علم میں ترقی نہیں ہوتی ہے

فان العلم فضل من الٰہ ۔۔۔ وفضل اللّٰہ لا یعطی لعاص

مدارس میں اساتذہ ایسے ہونے چاہئیں جو اسلامی کردار کا بہترین نمونہ ہوں، اخلاقی کمالات سے بھرپور ہوں اور ظاہر و باطن میں شریعت و علومِ شریعت کے فدائی ہوں۔ صوم و صلوٰۃ و اخلاقِ حسنہ سے متصف ہوں مطالعہ اور علمی ذوقِ تحقیق ان کا اوڑھنا بچھونا ہو وہ طلبہ کو مطالعہ، تکرار، درس و تدریس کے سلسلہ میں وقتاً فوقتاً ہدایات دیتے رہیں اور صحیح رخ پر اذہان کی تربیت کرتے رہیں۔ اگر اساتذہ کی قولی تربیت کے ساتھ ان کا اپنا عمل بھی اس کے مطابق ہو تو یہ چیز طلبہ پر لازماً اثر انداز ہو گی۔ ہمارے مدارس کے مردم خیز ہونے میں اساتذہ و منتظمین کے اخلاص و للہیت اور بلند کردار و با اخلاق ہونے کا بنیادی حصّہ ہو گا اس سلسلہ میں اربابِ مدارس اور اساتذہ کو طلبہ کے مشاغلِ عبادات، حاضری، اسباق، مطالعہ، بحث و مباحثہ اور مشاغلِ شب و روز پر بھی نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ نیز طلبہ کو ذہنی لحاظ سے ان باتوں کی پوری تربیت دینی ضروری ہے۔ اور اس طرح کہ ہمیشہ یہ چیزیں مستحضر رہیں۔

(۱) راہِ حق اور کلمۂ حق کی خاطر شدائد اور محسن کے لئے تیاری کہ جتنا مقام اونچا ہے اتنی ہی ابتلاء اور آزمائش بھی ہو گی۔

(۲) مقصد کی عظمت کا احساس کہ حصُولِ تعلیم صرف اور صرف اشاعتِ دین، احقاقِ حق، اعلاء کلمۃ اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور مرضیات الٰہی کا حصول ہے۔ آگے سارے اثرات کا مدار اسی پر ہے۔ انما الاعمال بالنیات۔

(۳) حصولِ علم کی راہ میں فنائیت، تواضع، مسکنت اور انکساری کہ العلم عز یحصل بذل لاعز فیہ۔

(۴) سادگی، قناعت، زہد اور توکل کی زندگی۔

(۵) اساتذہ، مدرسہ، رفقاء، منتظمین، علوم و فنون اور کتب سب کے ادب و احترام کا ہمہ وقت لحاظ ——۔

(۶) جو کچھ سیکھا جائے اس پر پورا اذعان و یقین کہ گویا حاصل ہونے والی چیزیں قلب و روح اور رگ و ریشہ میں رچ بس جائیں اور اس پر عملی اثرات مرتب ہونے لگیں۔ یہ احساس نہ ہو کہ ہمارا کام علم سے ہے، عمل عوام کا کام ہے۔

یہ چند پراگندہ باتیں تھیں جو اس وقت ذہن میں آئیں۔ حق تعالیٰ آپ کی مساعی جمیلہ بار آور بنا دے اور پردۂ غیب سے اہل علم اور مدارس عربیہ کی اصلاح احوال کے اسباب ظاہر فرما دے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز

بقیہ: قربانی اور اسلام۔

کا تخم بو دیا تو کیونکہ اسی طرح مسلمان کے گھر پیدا ہوئے تو مسلمان ہو گئے۔ حالانکہ اسلام نام عمل و اخلاق کا ہے۔ اس کا اپنا ایک معاشرہ ہے، الگ عقائد ہیں، وہ ایک خاص تہذیب دنیا میں پھیلاتا ہے جس کی بنیاد آخرت اور ایمان باللہ پر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے قربانی سے ہمیں یہ درس دیا کہ اللہ کی راہ میں جان و مال، عزت و آبرو اور اولاد تک قربان کرنے کیلئے تیار رہیں۔ چنانچہ قربانی جان کے بدلے جان کا فدیہ ہے۔ قربانی کرتے ہوئے ہم صدق دل سے اپنے مولیٰ کے سامنے اقرار کرتے ہیں کہ: ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العٰلمین۔ میری نماز (عبادت) قربانی، زندگی اور موت (سب کچھ) اللہ کیلئے ہے جو پالنے والا ہے تمام مخلوقات کا —— قربانی کا سبق ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو ہم اپنا خون بھی راہ خدا اور اس کے دین کیلئے بہائیں ——۔

(اقتباس از وعظ عیدگاہ۔ اکوڑہ۔ ذی الحجہ ۱۳۸۴ھ)

© rasailojaraid.com